Open Access

العرفان

Al-Irfan(*Research Journal of Islamic Studies*)

Published by: *Faculty of Islamic Studies & Shariah*
Minhaj University Lahore

ISSN: *2518-9794 (Print), 2788-4066 (Online)*

Volume 09, Issue 18, July-December 2024,

Email: alirfan@mul.edu.pk

واصفیات اور اخلاقیات

Wasif Ali Wasif: Virtues and Ethics

ZEESHAN DANISH KHAN

PhD Scholar Departmenet of Islamic Studies, The Superior University, Lahore

mzdanish.lums@gmail.com

ABSTRACT

The teachings of Wasif Ali Wasif (RA) offer profound insights into character-building and ethics from an Islamic ans Sufi perspective. As a revered thinker and writer, Wasif Ali Wasif (RA) emphasized the critical role of moral values and spiritual development in shaping personal integrity. This paper delves into his philosophy, highlighting key virtues such as self-awareness, empathy, and humility, which are essential for cultivating a noble character. Drawing upon his literary works and personal reflections, the study examines how Wasif advocates aligning inner spiritual growth with outward ethical behavior, promoting a balanced and holistic approach to life. By exploring these themes, the paper aims to inspire modern audiences to reflect on their personal character development and ethical practices. It also demonstrates the enduring relevance of Sufi teachings in fostering a more just, compassionate, and spiritually conscious society.

Keywords:

Wasif Ali Wasif, character building, Sufi ethics, personal development, Islamic teachings.

قرآن حکیم میں اللہ کا ارشاد ہے:

﴿وَ اِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ﴾[1]

اے نبی ﷺ! آپ عظیم اور بلند اخلاق کے حامل ہیں۔

رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:

إنما بعثت لاتمم مكارم الاخلاق[2]

مجھے اعلیٰ اخلاق (مکارمِ اَخلاق) کی تکمیل کے لیے بھیجا گیا ہے۔

حضرت عائشہؓ سے مروی حدیث ہے: سعد بن ہشام بن عامر جب عائشہؓ کے پاس گئے، تو پوچھا کہ مجھے اللہ کے رسول ﷺ کے اخلاق کے بارے میں بتایئے، تو انھوں نے کہا کہ کیا تم نے قرآن پڑھا نہیں؟ میں نے کہا کہ پڑھتا تو ہوں۔ فرمایا کہ اللہ کے نبی ﷺ کا اخلاق قرآن تھا۔[3]

درج بالا قرآنی آیت اور احادیث سے واضح ہوتا ہے کہ خلقِ عظیم اور مکارم اخلاق کی تکمیل کے لیے ہمیں قرآن اور صاحبِ قرآن ﷺ سے ہدایت اور رہنمائی حاصل کرنی ہو گی۔ قرآن و سنت ہی وہ واحد معیار ہے جو ہمیں اخلاق حسنہ کی صحیح بنیاد فراہم کرتا ہے۔

فکرِ واصفؒ میں اخلاقی تعلیمات

حضرت واصف علی واصف رحمۃ اللہ علیہ (۱۹۲۹ء-۱۹۹۳ء) موجودہ دور کے عظیم صوفی، دانشور اور مصلح تھے جنھوں نے اپنی تحریروں اور تقریروں کے ذریعے اسلامی اخلاقیات کو فروغ دیا۔ حضرت واصف علی واصفؒ کے فکری جانشین ڈاکٹر اظہر وحید صاحب کا کہنا ہے کہ اگر ہم تعلیمات واصفؒ کو دیکھیں تو ہمیں تین بڑے موضوعات واضح طور پر نظر آئیں گے: ۱) اخلاقیات، ۲) پاکستانیت اور ۳) حب رسول ﷺ۔

واصف علی واصفؒ کی نثر، شاعری اور محافلِ گفتگو میں اخلاقیات اور کردار سازی کو بجاُ اجاگر کیا گیا ہے۔ اس مقالے میں حضرت واصف علی واصفؒ کی اخلاقیات پر مبنی تعلیمات کا تجزیہ، اثرات اور اہمیت کو پیش کیا جائے گا۔

---

(1) القلم، 4/68

(2) سلسلہ احادیث صحیحہ، حدیث نمبر 2399

(3) صحیح مسلم، حدیث نمبر 746

ذیل میں واصف علی واصف کی نثر میں بیان کردہ اعلی اخلاقی اقدار، خدمتِ خلق، ایثار، حقوق العباد اور باطنی اوصاف جیسے موضوعات کے قرآنی مآخذ بیان کیے جارہے ہیں:

ا۔اسوۂ حسنہ

قرآن مجید میں رسول اللہ ﷺ کی ذات کو تمام نبی نوع انسان کے لیےاسوہ حسنہ قرار دیا گیا ہے۔ اللہ رب العزّت کا فرمان ہے:

تمھارے لیےاللہ کے رسول ﷺ (کی ذات میں) میں اسوہ حسنہ (یعنی بہترین نمونہ) ہے۔[1]

اس حوالے سے واصف علی واصف لکھتے ہیں کہ پیغمبر مکرم ﷺ کی یہ شان ہے کہ وہ ہر طبقے کے لیے چاہے وہ غریب ہوں، یتیم ہوں یا مہاجر ہوں اُن کے سلطان ہیں اور زمانے بھر کے بھی سلطان ہیں۔ غربت اور معاشی کمزوری نبی ﷺ کے قرب میں کوئی رکاوٹ نہیں ہے اور نہ ہی دولت اور سرمایہ نبی ﷺ کے تقرب کی ضمانت ہے۔[2]
اللہ کے رسول ﷺ کی حیات طیبہ میں تاجر، امیر، غریب، سپہ سالار، سلطان، شوہر، باپ غرض ہر انسان کے لیے بہترین اسوہ اور نمونہ موجود ہے۔

۲۔اصلاح بالمحبت

نیکی اور بدی، خیر اور شر اچھائی اور برائی کبھی بھی برابر اور ہم پلہ نہیں ہو سکتے، لہذا بدی کا جواب بدی سے دینے کی ممانعت ہے۔ نیکی اور اعلی اخلاق سے ہی برائی کو دور کیا جاسکتا ہے۔ اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

﴿وَلَا تَسْتَوِي الْحَسَنَةُ وَلَا السَّيِّئَةُ ادْفَعْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ فَإِذَا الَّذِي بَيْنَكَ وَبَيْنَهُ عَدَاوَةٌ كَأَنَّهُ وَلِيٌّ حَمِيمٌ﴾[3]

ترجمہ: اور اچھائی اور برائی برابر (ایک جیسی) نہیں ہوتی، تم بدی کو احسن طریقہ سے دور کرو، (تو تم دیکھو گے) کہ تمھارے اور جس کے درمیان دشمنی تھی، وہ یکایک ایسا ہو جائے گا جیسے وہ (تمھارا) گرم جوش دوست ہو۔

یعنی برائی کا جواب بھلائی سے دینے سے آپ کا مخالف اور دشمن، دشمنی کی صفت چھوڑ کر آپ کا قریبی دوست بن جائے گا۔ یہاں پر مخالف کی کڑوی کسیلی باتوں کو برداشت کرنے کے ساتھ، اس کے ناروا سلوک اور رویوں کا جواب

---

(1) الاحزاب، 21/33

(2) واصف علی واصف، (1986ء)، کرن کرن سورج، کاشف پبلیکیشنز، لاہور، ص26

(3) فصلت، 34/41

احسن طریقے سے دینے کا حکم ہے، جس سے مخالف، حمایتی اور دوست بن جاتے ہیں۔ واصف علی واصفؒ نے دوسروں کی اصلاح کا ایک کلیہ یہ بیان کیا ہے کہ محبت کے ذریعے اصلاح ہو سکتی ہے، نفرت کے ذریعے نہیں۔ اصلاح کا یہ کلیہ صرف گنہگاروں پر لاگو نہیں ہوتا بلکہ نادان، بے علم اور مریض کی اصلاح بھی محبت کے ذریعے ہی ممکن ہے۔ واصف علی واصفؒ لکھتے ہیں کہ دانا ہی نادانوں کی، عالم ہی بے علم اور حکیم ہی بیماروں کی اصلاح کر سکتا ہے۔ وہ حکیم کیا علاج کرے گا جو اپنے مریضوں سے محبت نہ کرتا ہو اور وہ مصلح کیا اصلاح کرے گا اگر وہ گنہگاروں سے نفرت کرتا ہو۔ یعنی دوسروں پر اثر انداز ہونے کے لیے محبت کی ضرورت ہوتی ہے، نفرت کی نہیں۔[1]

۳۔ شیخی خوری

اللہ تعالی کسی شیخی خور کو پسند نہیں کرتے۔ ارشاد باری تعالی ہے:

﴿إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ مُخْتَالًا فَخُورًا﴾[2]

ترجمہ: اللہ شیخی باز اور اترانے والے کو پسند نہیں کرتا۔

اپنی کسی فضیلت کو لوگوں میں بیان کرنا شیخی خوری ہے یعنی اپنے منہ سے اپنی تعریف کرنا کسی کے کم ظرف ہونے کی علامت ہے اور اللہ تعالی ایسے شخص کو پسند نہیں کرتا۔ ایسا شخص پہلے تو لوگوں سے اپنی تعریف سننے کی طلب رکھتا ہے اور اگر یہ خواہش پوری نہ ہو تو اس پر ہی بس نہیں کرتا بلکہ وہ خود اپنی تعریفوں کے پل باندھنے لگ جاتا ہے۔ واصف علی واصف لکھتے ہیں کہ کم ظرف انسان اپنی تعریف اپنی زبان سے کرنے پر مجبور ہوتا ہے۔ لہٰذا اپنی تعریف دوسروں سے سننا اچھا عمل نہیں ہے اور اپنی تعریف اپنی زبان سے کرنا تو ایک عذاب ہے۔[3]

پاکی داماں کا دعوی کرنا، از روئے قرآن ناپسندیدہ ہے:

﴿فَلَا تُزَكُّوا أَنْفُسَكُمْ هُوَ أَعْلَمُ بِمَنِ اتَّقَى﴾[4]

ترجمہ: پس! تم خود کو پاکیزہ نہ سمجھو، وہ ذات خوب جانتی ہے کہ متقی کون ہے۔

---

(1) واصف علی واصف، (1986ء)، کرن کرن سورج، کاشف پبلیکیشنز، لاہور، ص 15

(2) النساء، 36/4

(3) واصف علی واصف، (1986ء)، کرن کرن سورج، کاشف پبلیکیشنز، لاہور، ص 13

(4) النجم، 32/53

ایک اور جگہ اسی مضمون سے متعلق واصف علی واصف لکھتے ہیں کہ ایک شخص نے دوسرے شخص سے پوچھا: "آپ نے زندگی میں پہلی مرتبہ جھوٹ کب بولا؟" دوسرے شخص نے جواب دیا: "اس دن جب میں نے اعلان کیا کہ میں ہمیشہ ہی سچ بولتا ہوں۔"[(1)]

اللہ کے ہاں اکرم (یعنی سب سے عزت والا) شخص وہ ہے جو تم میں سب سے بڑھ کر متّقی ہے۔[(2)]

تکریم اور فضیلت تقویٰ اختیار کرنے میں ہے، محض تعلیمی میدان میں جھنڈے گاڑھنے یا کسی شعبے میں کمالات حاصل کرنے میں نہیں ہے۔ اس مضمون سے متعلق واصف علی واصف لکھتے ہیں کہ اسلام قبول کرنے کے بعد کسی کا یہ دعویٰ کہ وہ دوسرے مسلمانوں سے بہتر ہے، بالکل غلط ہے اور اس شخص کی کم ظرفی اور جہالت ہے۔ اپنی فضیلت کو بیان کرنا فضیلت نہیں بلکہ اصل فضیلت دوسروں کو فضیلت دینے میں ہے۔[(3)]

۴۔ تزکیۂ نفس

تزکیۂ نفس، باطن کی اصلاح ہے۔ تزکیۂ نفس سے مراد نفسِ امارہ (یعنی برائیوں کی طرف ابھارنے والے نفس) سے نکل کر نفسِ لوامہ (یعنی برائیوں پر ملامت کرنے والے نفس) اور نفسِ لوامہ سے نفسِ مطمئنہ کی حالت میں آنے کا نام ہے۔ نفس مطمئنہ کے حصول کے لیے کی جانے والی کوشش اور محنت مجاہدہ ہے۔ قرآن حکیم میں نفس کی پاکیزگی اور آلائش سے متعلق ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وہ شخص فلاح یافتہ ہو گیا جس نے تزکیہ نفس کر لیا۔ اور وہ شخص ناکام ہوا جس نے اسے آلودہ کیا یعنی پاک نہ کیا۔[(4)]

واصف علی واصفؒ نے باطن کی اہمیت اور نفس کے یہ دونوں روپ کچھ اس طرح بیان کیے ہیں کہ آپ کا اصل تشخص آپ کے اندر کا انسان ہے۔ اندر کا انسان ہی عبادت کرتا ہے اور یہی بغاوت کرتا ہے۔ یعنی انسان کا باطن یا تو اس کا بہترین دوست ہے یا پھر بدترین دشمن۔ اب یہ انسان کا اپنا فیصلہ ہے کہ وہ دنیا والا بنتا ہے یا آخرت والا۔ یعنی انسان کا نفس ہی اس کے لیے یا تو شادابیِ منزل ہے یا پھر دشواریِ سفر ہے۔ جس نے اپنا باطن محفوظ کر لیا تو اس کا ظاہر بھی محفوظ ہو گیا۔[(5)]

---

(1) واصف علی واصف، (1986ء)، کرن کرن سورج، کاشف پبلیکیشنز، لاہور، ص 22

(2) الحجرات، 13/49

(3) واصف علی واصف، (1986ء)، کرن کرن سورج، کاشف پبلیکیشنز، لاہور، ص 13

(4) الشمس، 91/9-10

(5) واصف علی واصف، (1986ء)، کرن کرن سورج، کاشف پبلیکیشنز، لاہور، ص 11

سورۃ الانعام میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿قَدْ جَاءَكُمْ بَصَائِرُ مِنْ رَبِّكُمْ فَمَنْ أَبْصَرَ فَلِنَفْسِهِ وَمَنْ عَمِيَ فَعَلَيْهَا﴾ (1)

ترجمہ: تمھارے پاس تمھارے رب کی جانب سے بصائر (دلائل اور شواہد) آگئے ہیں۔ پس! جو شخص (ان شواہد کو) دیکھے گا وہ اپنے بھلے کے لیے کرے گا، اور جو اندھا رہے گا، وہ اپنا نقصان (یعنی اپنے لیے دشواری) کرے گا۔

واصف علی واصفؒ نے اپنی کتاب "کرن کرن سورج" کے آغاز میں ہی نفس کو دشواریِ سفر اور شادابیِ منزل سے تعبیر کیا ہے۔ گویا اس آیت کی وضاحت میں واصف علی واصفؒ نے فلنفسہ کو شادابیِ منزل اور **فعلیھا** کو دشواریِ سفر سے تعبیر کیا ہے۔

۵۔ ریاکاری

قرآن مجید میں دکھاوے کے لیے نیک اعمال کرنے والوں کے لیے تباہی اور بربادی کا ذکر یوں فرمایا گیا ہے:

﴿فَوَيْلٌ لِلْمُصَلِّينَ - الَّذِينَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُونَ - الَّذِينَ هُمْ يُرَاءُونَ ﴾(2)

ترجمہ: پس! ویل (ہلاکت اور تباہی) ہے ان نمازیوں کے لیے، جو اپنی نمازوں سے غفلت اور سستی کرتے ہیں، اور جو دکھاوا (ریاکاری) کرتے ہیں۔

قرآن مجید کی سورۃ الماعون میں نماز میں سستی کرنے والوں اور دکھلاوے کی نماز پڑھنے والوں کے لیے خرابی اور بربادی کی خبر دی گئی ہے۔ دنیا کو دکھانے کے لیے نیکیاں اور عبادتیں کرنے والا نیک اور عابد ہو ہی نہیں سکتا۔ واصف علی واصفؒ لکھتے ہیں کہ جو شخص دنیا میں عزت و مقام کے حصول کے لیے اپنی اصلاح کر رہا ہے، اس کی اصلاح نہیں ہو سکے گی۔ اپنی نیکیوں اور بھلائیوں کا صلہ اور اجرت دنیا سے لینے والا نیک تو ہرگز نہیں ہو سکتا۔ ریاکار وہ ہے جو دنیا والوں کو اپنی عبادت اور نیکیوں سے مرعوب کرنا چاہتا ہے۔(3)

۶۔ قول سدید

حق اور سچ بات کہنا اہلِ ایمان کا وصف ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

---

(1) الانعام، 104/6

(2) الماعون، 6-4/107

(3) واصف علی واصف، (1986ء)، کرن کرن سورج، کاشف پبلیکیشنز، لاہور، ص 14

﴿يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَقُولُوا قَوْلًا سَدِيدًا﴾[(1)]

ترجمہ: اے اہل ایمان! اللہ کا تقویٰ اختیار کرو اور ہمیشہ درست اور سچی بات کہو۔

﴿وَلَا تَلْبِسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوا الْحَقَّ وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ﴾[(2)]

ترجمہ: حق کو باطل کے ساتھ نہ ملاؤ، اور حق کو نہ چھپاؤ، اس حال میں کہ تم جانتے بھی ہو۔

﴿وَلَا تَكْتُمُوا الشَّهَادَةَ وَمَنْ يَكْتُمْهَا فَإِنَّهُ آثِمٌ قَلْبُهُ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ عَلِيمٌ﴾[(3)]

ترجمہ: گواہی کو مت چھپاؤ، جو کتمانِ حق کرے گا اس کا قلب گناہ گار ہو گا، اور اللہ جاننے والا ہے جو تم عمل کرتے ہو۔

قرآن مجید میں سیدھی سچی بات کہنے کا حکم دیا گیا ہے، اگرچہ وہ قول تمھارے ماں باپ اور قریبی عزیز رشتے داروں کے خلاف ہی کیوں نہ جاتا ہو۔ سورۃ الانعام میں ارشاد ہے:

جب تم بولو تو عدل کرو اگرچہ وہ (یعنی سامنے) قرابت دار ہی کیوں نہ ہو۔[(4)]

قول سدید کہنے، حق بات کو باطل سے گڈ مڈ نہ کرنے اور حق بات کو نہ چھپانے کے حوالے سے واصف علی واصف لکھتے ہیں کہ حق اور سچ بات کو چھپانے اور اسے موقع محل کی مناسبت سے بیان نہ کرنے والا صداقت سے محروم ہو جاتا ہے۔ مزید یہ کہ صداقت کے بیان میں ابہام اور باطل کے ساتھ گڈ مڈ کرنے والے کو صادق نہیں کہا سکتا۔ حق گوئی اور صداقت اصل جوہر ہے، صداقت کے اظہار میں خاموشی صداقت سے محروم کر سکتی ہے۔ صداقت کے اظہار میں مصلحت اندیشی یا مبہم بات کرنا بھی صداقت سے محرومی ہے۔[(5)]

---

(1) الاحزاب، 70/33

(2) البقرۃ، 42/2

(3) البقرۃ، 283/2

(4) الانعام، 152/6

(5) واصف علی واصف، (1986ء)، کرن کرن سورج، کاشف پبلیکیشنز، لاہور، ص 15

۷۔ قول و عمل میں ہم آہنگی

جھوٹے مبلغین دوسروں کو زندگی کی بے ثباتی کا درس دیتے ہیں اور خود اس بے ثبات دنیا میں ثبات حاصل کرنے کی بھاگ دوڑ اور تگ ودو میں مصروفِ عمل رہتے ہیں۔ کلام پاک میں اس تصور کا ماخذ مندرجہ ذیل آیات ہیں:

تم لوگوں کو تو نیکی اور بھلائی کا حکم دیتے ہو اور خود اپنے آپ کو بھول جاتے ہو؟ جب کہ تم تلاوتِ آیات بھی کرتے ہو۔ تم عقل (یعنی غور و فکر) سے کام کیوں نہیں لیتے۔[1]

﴿يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لِمَ تَقُولُونَ مَا لَا تَفْعَلُونَ - كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللَّهِ أَنْ تَقُولُوا مَا لَا تَفْعَلُونَ ﴾[2]

ترجمہ: اے اہلِ ایمان! تم کیوں ایسی بات کرتے ہو جو تم کرتے نہیں ہو؟ اللہ کے ہاں یہ بہت بڑی بات ہے کہ تم وہ بات کرو جو تم کرتے نہیں۔

اس مضمون سے متعلق صورتحال کا نقشہ حضرت واصف علی واصفؒ نے یوں کھینچا ہے کہ ایک طرف تو یہ لوگ اپنے مکانات زور و شور سے تعمیر کر رہے ہیں اور دوسری طرف حالات کی غیر یقینی صورتحال پر تقریریں کرتے پھرتے ہیں۔[3] آج ہم معاشرے میں دیکھتے ہیں کہ یہ ایک فیشن بن چکا ہے۔ ہر کوئی ملک کی سیاسی، معاشی اور اخلاقی بدحالی کا رونا رو رہا ہے اور اپنے اخلاق و کردار کی طرف توجہ نہیں ہے۔

۸۔ حقوقِ زوجین

اللہ رب العزت نے قرآن مجید میں شوہر اور بیوی کو آپس میں بمنزلہ لباس قرار دیا ہے۔ لباس کے دو بڑے مقصد ہوتے ہیں ایک تو لباس عیب چھپانے کے کام آتا ہے اور دوسرے باعثِ زینت ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿هُنَّ لِبَاسٌ لَكُمْ وَأَنْتُمْ لِبَاسٌ لَهُنَّ﴾[4]

ترجمہ: وہ (بیویاں) تمھارے لیے لباس کی مانند ہیں، اور تم (شوہر) ان کے لیے لباس کی مانند ہو۔

اور

---

(1) البقرۃ، 44/2

(2) الصف، 3-2/61

(3) واصف علی واصف، (1986ء)، کرن کرن سورج، کاشف پبلیکیشنز، لاہور، ص16

(4) البقرۃ، 187/2

﴿وَعَاشِرُوهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ فَإِنْ كَرِهْتُمُوهُنَّ فَعَسَى أَنْ تَكْرَهُوا شَيْئًا وَيَجْعَلَ اللَّهُ فِيهِ خَيْرًا كَثِيرًا﴾[1]

ترجمہ: اور ان (بیویوں) کے ساتھ معروف اور بھلے طریقے سے گزر بسر کرو، اگر تم انھیں (کسی وجہ سے) ناپسند کرتے ہو تو ہو سکتا ہے کہ تم کسی چیز کو (اپنے طور پر) ناپسند کرو حالانکہ اللہ نے تمھارے لیے اس میں خیر کثیر (یعنی بھلائی) رکھی ہو۔

قرآن پاک کی ان آیات سے ماخوذ تصور کو واصف علی واصفؒ یوں بیان کرتے ہیں کہ میاں بیوی ایک دوسرے کے لیے باغ و بہار ہوتے ہیں۔ باغ وہی بھلا ہے جہاں بہار آئے اور بہار وہی بھلی ہے جو باغ میں آئے۔ باغ کا بِنا بہار کے اور بہار کا بِنا باغ کے کیا فائدہ ہے۔ یہ دونوں ایک دوسرے کے دَم سے ہیں!![2]

اسی طرح قرآنِ حکیم میں اللہ رب العزت نے شوہر اور بیوی کے رشتے کو اپنی آیت (نشانی) بتلایا ہے۔ میاں بیوی کے درمیان نکاح کے بعد گہرا رشتہ پیدا ہو جاتا ہے، جو نکاح سے پہلے اجنبی ہوتے ہیں۔ ان کے درمیان مودّت اور رحمت کے جذبات پیدا ہو جاتے ہیں۔ اللہ رب العزت کا ارشاد پاک ہے:

ترجمہ: اللہ کی آیات میں سے ہے کہ اس نے تم میں سے تمھارے لیے جوڑے پیدا کیے تاکہ تم ان سے سکون حاصل کر سکو اور تمھارے مابین مودّت اور رحمت رکھ دی۔ بے شک اس میں غور و فکر کرنے والوں کے لیے آیات (نشانیاں) ہیں۔[3]

اس آیتِ مبارکہ کے اندر میاں بیوی کے درمیان محبت اور رحمت کے جذبات کو فضلِ الٰہی بتایا گیا ہے۔ یہ اللہ کی خاص رحمت، فضل اور عطا ہے کہ اس نے تمھارے درمیان مودت و رحمت رکھ دی ہے۔ واصف علی واصفؒ نے بھی کامیاب ازدواجی زندگی کو اللہ کا فضل اور احسان قرار دیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ ہم کسی کو شریکِ حیات بنانے سے پہلے اُس کے ماضی اور حال کو دیکھتے ہیں جب کہ ہم نے اس کے ساتھ مستقبل میں زندگی گزارنی ہے۔ ازدواجی زندگی میں کامیابی اللہ کا فضل اور احسان ہے۔[4]

---

(1) النساء، 19/4

(2) واصف علی واصف، (1986ء)، کرن کرن سورج، کاشف پبلیکیشنز، لاہور، ص17

(3) الروم، 21/30

(4) واصف علی واصف، (1986ء)، کرن کرن سورج، کاشف پبلیکیشنز، لاہور، ص27

۹۔ مہمان نوازی

قرآنِ مجید میں حضرت ابراہیمؑ کا واقعہ ذکر ہوا ہے جس میں اُن کی مہمان نوازی کے حوالے سے بھی ذکر آیا ہے:

﴿هَلْ أَتَاكَ حَدِيثُ ضَيْفِ إِبْرَاهِيمَ الْمُكْرَمِينَ - إِذْ دَخَلُوا عَلَيْهِ فَقَالُوا سَلَامًا قَالَ سَلَامٌ قَوْمٌ مُنْكَرُونَ - فَرَاغَ إِلَى أَهْلِهِ فَجَاءَ بِعِجْلٍ سَمِينٍ﴾ (1)

ترجمہ: کیا ابراہیمؑ کے معزز اور مکرم مہمانوں کا واقعہ آپ تک پہنچا ہے؟ جب وہ ابراہیمؑ کے گھر داخل ہوئے تو انھوں نے سلام کیا (جواباً) ابراہیمؑ نے بھی سلام کیا۔ وہ لوگ کچھ عجیب لگ رہے تھے۔ پھر ابراہیمؑ اپنے اہل (گھر والوں) کے پاس آئے اور ایک موٹا بچھڑا (پکا کر) لائے۔

انفاق فی سبیل اللہ اور اس کی مثال قرآن مجید میں یوں بیان ہوئی ہے:

جو لوگ اللہ کی راہ میں انفاق کرتے ہیں، ان لوگوں کی مثال ایسے ہے جیسے ایک دانہ، سات بالیاں اگائے اور ہر ہر بالی کے اندر سو سو (۱۰۰) دانے ہوں۔ اللہ تعالیٰ جس کے لیے بھی چاہتا ہے (اجر و ثواب کو) کئی گنا زیادہ کرتا ہے، اللہ واسع اور علیم ہے۔ (2)

اسی طرح بھوکے کو کھانا کھلانے کی احادیث تواتر سے بیان ہوئی ہیں، حدیث میں آتا ہے کہ جو اللہ تعالیٰ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہے، اُسے چاہیے کہ وُہ مہمان نوازی (مہمان کی عزت و تکریم) کرے۔ (3)

واصف علی واصف اُسی مضمون کو یوں لکھتے ہیں کہ سب کی بھلائی مانگنے والے کا اللہ رب العزت بھلا کرتا ہے اور مہمانوں کے لیے دستر خوان بچھانے اور لنگر خانے کھولنے والے کبھی محتاج نہیں ہوتے۔ (4)

۱۰۔ صحبتِ انسان

ہر انسان دوسرے انسان کی صحبت سے غیر محسوس طریقے سے اپنے افکار اور اعمال کے حوالے سے متاثر ہوتا ہے یہاں تک کہ دوست، دوست کا ہم جنس ہو جاتا ہے۔ قرآن پاک میں سورۃ الفرقان میں یوم قیامت کا نقشہ یوں کھینچا گیا ہے:

---

(1) الذاریات، 26-24/51

(2) البقرۃ، 261/2

(3) صحیح بخاری، کتاب الادب، باب من کان یومن باللہ والیوم الآخر فلا یوذ جارہ (رقم الحدیث: 6018)۔

(4) واصف علی واصف، (1986ء)، کرن کرن سورج، کاشف پبلیکیشنز، لاہور، ص 19

﴿وَيَوْمَ يَعَضُّ الظَّالِمُ عَلَى يَدَيْهِ يَقُولُ يَالَيْتَنِي اتَّخَذْتُ مَعَ الرَّسُولِ سَبِيلًا - يَاوَيْلَتَا لَيْتَنِي لَمْ أَتَّخِذْ فُلَانًا خَلِيلًا ﴾(1)

ترجمہ: جس دن ظالم اپنے ہاتھوں کو کاٹے گا اور کہے گا کہ اے کاش! میں نے رسول ﷺ کی معیت اور ان کا راستہ اختیار کیا ہوتا۔ ہائے افسوس، کاش! (اس دنیا میں) میں فلاں کو دوست نہ بناتا۔

یعنی کافر اس دن حسرت اور افسوس کریں گے کہ کیوں ہم نے رسولوں کی ہمراہی اور معیت اختیار نہیں کی اور کیوں ایسے لوگوں کی مصاحبت اختیار کی جن کی وجہ سے انھوں نے گمراہی کا سودا لیا۔

یہ ایک تکوینی حقیقت ہے کہ صحبت، انسان کے اعتقادات پر گہرے اثرات رکھتی ہے یہی وجہ ہے کہ احادیث میں دار الکفر میں غیر ضروری طور پر قیام کرنے کو ناپسندیدہ قرار دیا گیا ہے۔

خالقِ حقیقت، حقیقتِ انسان کا بھی خالق ہے اور وہ انسان کے نفس (دِل) میں پیدا ہونے والے وساوس (ازروئے قرآن: ﴿وَنَعْلَمُ مَا تُوَسْوِسُ بِهِ نَفْسُهُ﴾(2) کو بھی جانتا ہے۔ اس لیے اُس نے ایمان والوں کو ہدایت اور تقوی کے راستے پر چلنے کے لیے نیک اور صادق لوگوں کی سنگت بھی لازمی قرار دی ہے:

﴿يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَكُونُوا مَعَ الصَّادِقِينَ﴾(3)

ترجمہ: اے ایمان والو، اللہ کا تقویٰ (پرہیز گاری) اختیار کرو، اور صادقین کی معیت میں رہو۔

فارسی میں مشہور مقالہ ہے، صحبتِ صالح تُرا صالح کند و صحبتِ طالح تُرا طالح کند، یعنی صحبتِ صالح تجھے نیک بنائے گی اور صحبتِ بد تجھے بد کر دے گی۔ قرآن مجید کی درج ذیل آیات میں انعام یافتہ لوگوں کی رفاقت اور معیت کو بہترین رفاقت کہا گیا ہے:

﴿وَمَنْ يُطِعِ اللَّهَ وَالرَّسُولَ فَأُولَئِكَ مَعَ الَّذِينَ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ مِنَ النَّبِيِّينَ وَالصِّدِّيقِينَ وَالشُّهَدَاءِ وَالصَّالِحِينَ وَحَسُنَ أُولَئِكَ رَفِيقًا - ذَلِكَ الْفَضْلُ مِنَ اللَّهِ وَكَفَى بِاللَّهِ عَلِيمًا ﴾(4)

---

(1) الفرقان،25/27-28

(2) ق،50/16

(3) التوبۃ،9/119

(4) النساء،4/69-70

ترجمہ: جو لوگ اللہ رب العزّت اور رسول ﷺ کی اطاعت و فرمانبر داری کریں گے تو وہ انعام یافتہ لوگوں کی معیت میں ہوں گے یعنی انبیاء ورسل، صدّیقین، شہداء اور صالحین۔ اور وہ کیا ہی اچھے رفیق ہیں۔ یہ فضل اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور علیم ہونے کے لیے اللہ کی ذات کافی ہے۔۔

کلام پاک میں یہاں اللہ رب العزت کی طرف سے بہترین انعام و اکرام کی صورت یہ بتائی گئی ہے کہ اطاعتِ الٰہی اور اطاعتِ رسول ﷺ کا بہترین صلہ اور انعام انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین کی رفاقت اور معیت کی صورت میں دیا جائے گا۔

اس میں کوئی کلام نہیں کہ رفاقت انسان کی شخصیت اور کردار پر گہرا اثر مرتب کرتی ہے۔ بسا اوقات ایسا معلوم ہوتا ہے کہ رفاقت ہی انسان کی عاقبت ہے۔ قرآن مجید کی ان آیات کی روشنی میں صحبت کی اہمیت کے حوالے سے واصف علی واصفؒ کا کہنا ہے کہ ایک انسان دوسرے انسان سے تاثر قبول کرتا ہے اور ایک انسان دوسرے انسان پر محبت، نفرت اور خوف کی تاثیر چھوڑ جاتا ہے۔ انسانوں کے قرب میں شعور کی ترقی، مسائل کا حل اور علم کا حصول بھی ہے۔ انسان کی صحبت، سنگت اور نظر سے انسان کی قسمت بدل سکتی ہے اور انسان کا قرب اُسے باشعور، عارف اور اہلِ علم بنانے کی قدرت رکھتا ہے۔(1)

۱۱۔ حتیٰ زرتم المقابر

کثرت کی خواہش، انسان کو غافل کر دیتی ہے یا بالفاظِ دیگر غفلت، کثرت کی طرف لے جاتی ہے۔ سورۃ التکاثر میں دنیاوی مال وزر اور سامانِ عیش و عشرت کو سمیٹنے کی دُھن اور آپس میں بڑھ چڑھ کر حصولِ دنیا کی ہوس اور خواہش کو غفلت کا سبب قرار دیا گیا ہے:

﴿أَلْهَاكُمُ التَّكَاثُرُ - حَتَّىٰ زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ﴾(2)

ترجمہ: کثرت کی خواہش نے تمھیں غافل کر رکھا ہے، یہاں تک کہ تم نے قبریں جا دیکھیں۔

اسی مضمون کو واصف علی واصف یُوں بیان کرتے ہیں:

غافل کی آنکھ اُس وقت کھلتی ہے جب بند ہونے کے قریب ہوتی ہے۔(3)

(1) واصف علی واصف، (1986ء)، کرن کرن سورج، کاشف پبلیکیشنز، لاہور، ص 23

(2) التکاثر، 102/1-2

(3) واصف علی واصف، (1986ء)، کرن کرن سورج، کاشف پبلیکیشنز، لاہور، ص 28

۱۲۔انسانوں کی خدمت

انسان، اُنس سے ہے یعنی انسان وہ ہے جو دوسروں کے لیے اُنس، محبت اور ہمدردی کے جذبات رکھتا ہے۔ سورۃ الانسان میں جہاں عباداللہ کا ذکر آیا ہے وہاں فرمایا کہ اللہ کے بندے محبتِ الٰہی میں مساکین، یتامیٰ اور قیدیوں کو کھانا کھلاتے ہیں:

﴿وَيُطْعِمُونَ الطَّعَامَ عَلَى حُبِّهِ مِسْكِينًا وَيَتِيمًا وَأَسِيرًا - إِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللَّهِ لَا نُرِيدُ مِنْكُمْ جَزَاءً وَلَا شُكُورًا ﴾ (1)

ترجمہ: وُہ مساکین، یتامیٰ اور قیدیوں کو محبتِ الٰہی میں کھانا کھلاتے ہیں۔(اور کہا کرتے ہیں یعنی ان کی سوچ یہ ہوتی ہے کہ) ہم تمھیں صرف اور صرف اللہ تعالی کی خوشنودی اور رضا کے لیے کھلا رہے ہیں، ہم تم سے کسی قسم کے بدلے (یعنی جزا) اور شکریے کے طالب نہیں۔

اس کے برعکس دوسروں کو کھانا کھلانے کے بارے میں کفار کا طرز عمل اور رویہ کیا ہوتا ہے، اس کا نقشہ سورۃ یس میں اس طرح کھینچا گیا ہے:

﴿وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ أَنْفِقُوا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللَّهُ قَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لِلَّذِينَ آمَنُوا أَنُطْعِمُ مَنْ لَوْ يَشَاءُ اللَّهُ أَطْعَمَهُ إِنْ أَنْتُمْ إِلَّا فِي ضَلَالٍ مُبِينٍ﴾ (2)

ترجمہ: اور جب اُنھیں کہا جاتا ہے کہ خرچ کرو اس (مال) میں سے جو اللہ رب العزّت نے تمھیں رزق دِیا ہے تو یہ کافر، ایمان لانے والوں سے کہتے ہیں کہ کیا ہم اُن لوگوں کو کھلائیں جنھیں اللہ تعالیٰ چاہتا، تو خود ہی کھلا دیتا؟ در حقیقت تم ہو ہی کھلی گمراہی میں۔"

یہ اللہ کی مشیت اور شانِ بے نیازی ہے کہ وہ چاہے تو رِزق کشادہ کرے اور چاہے تو تنگ کرے، مگر ہمیں دوسروں کی ہمیشہ مدد کرنے اور کھانا کھلانے کی ترغیب اور حکم دیا گیا ہے۔ اس لیے عبادالرحمن انسانوں کی خدمت کرنے اور انھیں کھانا کھلانے سے کبھی دریغ نہیں کرتے جب کہ کفار کا رویہ اور طرز عمل بالکل اس کے برعکس ہوتا ہے۔ واصف علی واصف اُللہ کے بندوں کے اس عمل کو یوں بیان کرتے ہیں کہ اولیاء اللہ انسانوں سے تعلق قائم کرنے اور بازو پکڑنے

---

(1) الانسان، 9-8/76

(2) یس، 47/36

کے بعد تعلق کی لاج رکھتے ہیں۔ اللہ بے نیاز ہے، اولیاء اللہ بے نیاز نہیں ہوتے۔ انھیں انسانوں سے محبت اور انسانوں کی خدمت ہی سے اللہ کا قرب ملتا ہے۔[1]

۱۳۔ تسلیم و رضا

اللہ کے بندوں کا اللہ سے ہر حال میں تعلق بدستور قائم رہتا ہے وہ تسلیم و رضا کے خُو گر ہوتے ہیں جب کہ عام طور پر انسان کی نفسیات یہ ہے کہ وہ مصیبت اور مشکل میں اللہ تعالی سے مایوس ہو جاتا ہے۔ قرآن حکیم میں انسان کی اس نفسیات کا ذکر یوں کیا گیا ہے:

جب ہم انسان پر اپنی رحمت کرتے ہیں اور پھر جب ہم اُس سے وُہ واپس کھینچ لیتے ہیں تو وُہ بڑا ہی مایوس اور ناشکرا ہو جاتا ہے۔[2]

دوسری جگہ ارشاد ہے:

﴿فَأَمَّا الْإِنْسَانُ إِذَا مَا ابْتَلَاهُ رَبُّهُ فَأَكْرَمَهُ وَنَعَّمَهُ فَيَقُولُ رَبِّي أَكْرَمَنِ - وَأَمَّا إِذَا مَا ابْتَلَاهُ فَقَدَرَ عَلَيْهِ رِزْقَهُ فَيَقُولُ رَبِّي أَهَانَنِ﴾[3]

انسان کو جب اس کا رب آزماتا ہے تو اسے انعام و اکرام دیتا ہے، اس پر وہ کہتا ہے کہ میرے رب نے مجھ پر کرم کر دیا۔ اور جب اس کا رزق تنگ کر کے اسے آزماتا ہے تو وہ کہنے لگ جاتا ہے کہ میرے رب نے مجھے تو ذلیل و رسوا کر دیا۔

رزق میں تنگی یا کشادگی کے ذریعے بندے کی آزمائش مقصود ہوتی ہے اور رزق کی تقسیم اللہ تعالی نے اپنی مشیت اور حکمت کے مطابق فرمائی ہے۔ اس لیے رزق میں تنگی کو اپنی توہین کہنا سراسر غلطی ہے اور اسی طرح رزق میں اضافے یا کشادگی کو اپنی عزت افزائی سمجھنا یا اپنے اعمال اور زورِ باز کا نتیجہ سمجھنا یا اللہ کی رضامندی سمجھنا بھی غلط ہے کیونکہ اللہ تعالی نے اس دنیا میں مال و دولت کی فراوانی تو اپنے نہ ماننے والوں کو بھی دے رکھی ہے۔ واصف علی واصفؒ اللہ والوں کی تسلیم و رضا اور راضی برضائے رب کی صفت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اللہ اپنے دوستوں کو جس بھی حال میں رکھے وہ راضی برضائے رب رہتے ہیں، وہ ہر حال میں خوش رہتے ہیں کہ یہ ان کے رب کا فیصلہ ہے۔ وہ گوشہ گمنامی میں بھی اللہ والے

---

(1) واصف علی واصف، (1986ء)، کرن کرن سورج، کاشف پبلیکیشنز، لاہور، ص28-29

(2) ہود، 9/11

(3) الفجر، 89/15-16

ہیں۔ ان کے لیے تخت نشینی اور گدائی رب کے فیصلے ہیں۔ وہ تعلق میں ہوتے ہیں اس لیے ان کے لیے ستم بھی کرم کا انداز ہے۔ (1)

اللہ کے بندے شہرت اور گمنامی، بادشاہی اور گدائی، ستم اور کرم کو اللہ کی عطا سمجھتے ہیں بلکہ ان کے نزدیک ستم بھی اُس کا اندازِ کرم ہے، وہ اللہ کے ہر فیصلے پر راضی رہتے ہیں اور ہر حال سے بخوشی گزرتے ہیں۔

۱۴۔ دعوت الی الخیر اور فلاح یافتگان

اللہ تعالی نے امر بالمعروف و نہی عن المنکر اور دعوت الی الخیر کرنے والوں کو یقینی طور پر فلاح یافتہ ہونے کا وعدہ اور اعلان فرمایا ہے:

> اور تمھارے درمیان ایک ایسی جماعت ہونی چاہیے جو دعوت الی الخیر اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا کام کرے، یہی لوگ ہیں فلاح پانے والے۔ (2)

قران کی اس آیت کے مطابق داعیانِ الی الخیر کو اپنی فلاح کا یقین ہوتا ہے، بالفاظِ دیگر جنھیں فلاح کا یقین ہوتا ہے وہی دوسروں کو بھی اُن کی فوز و فلاح اور جنت کی نعمتوں میں شریک کرنے کے لیے دعوت و تبلیغ کرتے ہیں۔ اُخروی نجات، فوز و فلاح اور دائمی و ابدی نعمتوں کی طرف بلانے والے انھیں دنیاوی آسودگی اور آسانیوں میں بھی شریک کرنے کو اپنا فرض سمجھتے ہیں اور یہی ان کے دعوے کی صداقت کا ثبوت ہوتا ہے۔ اُخروی زندگی میں وہی شریک کر سکتا ہے جو دنیاوی زندگی میں شریک کر سکتا ہے۔ مدینہ منورہ میں جب اللہ کے رسول ﷺ نے انصار اور مہاجرین کے مابین مواخات کا رشتہ قائم کیا تو انصار نے سب سے پہلے اپنے مہاجر بھائیوں کو اپنی دُنیاوی زندگی کے مال و اسباب میں شریک کیا۔ انسان جب کسی کی دنیاوی ضرورت اور آرام کا خیال رکھتا ہے تو اس کی دعوت و تبلیغ محض زبان سے ادا کیے گئے الفاظ نہیں ہوتے بلکہ وہ اس کے دل کے ترجمان ہوتے ہیں اور دل سے نکلی ہوئی بات تاثیر رکھتی ہے۔ اس مضمون کو واصف علی واصفؒ نے یوں قلمبند کیا ہے کہ جب ہمیں اپنی فلاح پر اطمینان ہو جاتا ہے، تو ہم دوسروں کو ان کی فلاح کے لیے بلاتے ہیں، تاکہ وہ بھی جنت کی نعمتوں میں ہمارے ساتھ شامل ہو سکیں۔ ہمارے دعوے کی سچائی کا اصل اظہار یہ ہے کہ ہم اپنی زندگی کی موجودہ سہولتوں میں بھی انھیں شامل کریں۔ (3)

---

(1) واصف علی واصف، (1986ء)، کرن کرن سورج، کاشف پبلیکیشنز، لاہور، ص 29

(2) آل عمران، 104/3

(3) واصف علی واصف، (1986ء)، کرن کرن سورج، کاشف پبلیکیشنز، لاہور، ص 30

۱۵۔امر بالمعروف ونہی عن المنکر

دین کی دعوت و تبلیغ کی ذمہ داری امت مسلمہ پر ہے کیونکہ نبی آخر الزمان ﷺ کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔ قرآن کریم میں اس امت کو بہترین امت اسی وجہ سے قرار دیا گیا ہے کہ وہ امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا کام کرتی ہے۔ اس عظیم ذمہ داری کے حوالے سے واصف علی واصفؒ نے لکھا ہے کہ اب کوئی نبی دنیا میں نہیں آئے گا، اس لیے دین کی دعوت و تبلیغ کی بڑی ذمہ داری ہم سب پر عائد ہوتی ہے۔ اپنی اصلاح کے بعد یہی امت پوری دنیا کی اصلاح کا فریضہ انجام دے گی۔[1]

اللہ تعالیٰ نے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی اہم ترین ذمہ داری کی بدولت ہمیں خیرِ امّت یعنی عظیم امت کے لقب سے نوازا ہے کہ تم لوگوں کے لیے یعنی لوگوں کے بھلے اور فائدے کے لیے نکالے گئے ہو۔ اس سے مراد یہ ہے کہ یہ امّت نہ صرف خود ایمان لاتی ہے بلکہ لوگوں کے نفع کے لیے سرگرمِ عمل رہتی ہے۔ اس لیے قرآن میں فرمایا گیا ہے:

> تم وہ عظیم امت ہو جسے انسانوں کی بھلائی اور فائدے کے لیے منتخب کیا گیا ہے۔ تم بھلائی (معروف) کا درس دیتے ہو، بُرائی (منکرات) سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان لاتے ہو۔[2]

حاصلِ کلام

حضرت واصف علی واصف رحمۃ اللہ علیہ کی تعلیمات میں اسلامی اخلاقیات کو مرکزی حیثیت حاصل ہے، جو انسان کی نہ صرف انفرادی بلکہ اجتماعی زندگی کی تعمیر کے لیے نہایت ضروری ہیں۔ اُن کے فکر کا محور رُوحانی ترقی اور اخلاقی تربیت ہے، کیونکہ ان کے نزدیک ایک بااخلاق انسان ہی ایک بہتر اور صالح معاشرہ تشکیل دے سکتا ہے۔ ان کی تعلیمات انسانیت کے بنیادی اصولوں جیسے محبت، اخلاص، خدمتِ خلق، اور عدل و انصاف پر مبنی ہے۔ فکرِ واصفؒ انسانیت کے لیے ایک روشن راہ فراہم کرتا ہے، جو انسان کو اس کی اصل شناخت اور مقصدِ حیات سے جوڑتا ہے۔ ان کے مطابق، روحانیت اور اخلاقیات کا گہرا تعلق ہے، اور جب ایک انسان اپنی اندرونی اصلاح کر لیتا ہے تو وہ خود بخود معاشرتی اصلاح کی طرف مائل ہو جاتا ہے۔ حضرت واصف علی واصف رحمۃ اللہ علیہ کی تعلیمات ایک گراں قدر اثاثہ ہیں، اگر ہم ان کی تعلیمات کو اپنی

---

(1) واصف علی واصف، (1986ء)، کرن کرن سورج، کاشف پبلیکیشنز، لاہور، ص14

(2) آل عمران، 110/3

زندگی میں شامل کرلیں تو نہ صرف ہماری انفرادی زندگی میں انقلاب آسکتا ہے بلکہ ہم اجتماعی طور پر ایک مثالی معاشرہ بھی قائم کرسکتے ہیں۔

☆☆☆☆☆☆☆☆